علم کی روشنی

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی

ایک تازہ تقریر

عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھومان لا یشبعان منھوم فی العلم لا یشبع منہ و منھوم فی الدنیا لا یشبع منھا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز! آپ حضرات کی دعوت پر میں حاضر تو ہو گیا۔ لیکن سوچتا ہوں کہ آپ کے سامنے کیا کہوں۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ کہوں گا وہ آپ جانتے ہیں۔ ایسی کوئی نئی بات سمجھ میں نہیں آتی جو آپ کے علم میں نہ ہو اور میں اسے علم میں لاؤں آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں علم کی دولت سب سے بڑی دولت ہے، اور علم کی روشنی سب سے بڑی روشنی ہے۔ آپ کو سورج کی روشنی سب سے بڑی معلوم ہوتی ہے، پورے عالم پر پھیلی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس کے ذریعہ صرف رنگ اور صورت کا علم ہوتا ہے۔ لیکن علم کی روشنی اسلام اور کفر کا فرق بتلاتی ہے۔ سنت و بدعت میں امتیاز سکھاتی ہے۔ حق و باطل کی پہچان کا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ انبیاء علیہ السلام کا طفیل ہے۔ ان کی جوتیوں کا صدقہ ہے اور ان حضرات کا لاکھ لاکھ کرم و احسان ہے کہ انہوں نے علم کی روشنی پیش کی جو ہمارے لئے اچھائی برائی بھلے اور برے کے درمیان تمیز کا ذریعہ بنی۔

تحصیل حاصل آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ علم تعلیم سے آتا ہے۔ اور آپ سبھی حضرات تعلیم میں مشغول ہیں اسباق میں حاضری ہے مطالعہ ہے۔ آپس میں مذاکرہ ہے، غرضیکہ رات دن آپ علم ہی کے حصول میں لگے رہتے ہیں۔ اس لئے اسکی نصیحت کرنا تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر عمل کے سلسلے میں کچھ کہا جائے تو آپ کہیں گے کہ سب سے بڑا عمل خود علم کا حصول ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء کے درمیان جب یہ بحث ہوئی کہ کثرتِ نوافل افضل ہے یا زیادتِ علم تو کثرت سے فقہاء زیادتِ علم ہی کی افضلیت کے قائل ہوئے۔ آپ حضرات تحصیل علم میں لگے ہوئے ہیں جو سب سے بڑا عمل ہے اس کے علاوہ فرائض وغیرہ کی ادائیگی میں بھی آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوتی نماز کے لئے آپ جوق در جوق آتے ہیں، ہر وقت مسجد بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ دارالعلوم کی مسجد تو آپ سے پُر رہتی ہی ہے۔ شہر کی مسجدیں بھی آپ لوگوں سے آباد ہیں۔ لہٰذا اگر عمل کے سلسلے میں کچھ عرض کروں تو بھی آپ کہیں گے کہ عمل تو ہم کر

ہی رہے ہیں۔ جہاں تک آپ لوگوں کی اخلاقی حیثیت کا تعلق ہے وہ بھی درست ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ اگر ہم پچھلوں کے اخلاق سے موازنہ کرتے ہیں تو کچھ کمی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم دورِ حاضر کے دوسرے طبقوں کے اخلاق و کریکٹر پہ نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں نہ صرف یہ کہ آپ لوگوں کے اخلاق کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے بلکہ ہم یہ کہنے پہ مجبور ہوتے ہیں کہ آپ حضرات ہی کا وہ طبقہ ہے جو اس اخلاقی قحط کے دور میں بھی اپنی ایک امتیازی شان رکھتا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں بھی کچھ کہنا فائدے سے خالی ہی ہوگا۔ اور اصولی و نوعی طور پہ یہی کچھ دائرے تھے کہ جن کے متعلق کچھ کہا جا سکتا تھا، اور بفضلہ تعالیٰ یہ ساری چیزیں آپ کو حاصل ہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسی چیز آپ حضرات کے سامنے رکھی جائے جو مفید ہو۔ اس وقت مجھے مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ اور مقولہ یاد آیا وہ یہ کہ آپ جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت ہو کر واپس ہوتے ہیں تو کافی عرصے تک کوئی خط و کتابت نہیں کی۔ آخر کار حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا کے پاس ایک خط لکھا کہ جملہ متوسلین کے خطوط برابر آتے رہتے ہیں جس سے ان کے حالات معلوم ہوتے ہیں مگر ایک مدت گزری آپ کی کوئی حالت معلوم نہ ہو سکی اپنے حالات لکھئے تاکہ اندازہ ہو سکے۔

مولانا نے جواب دیا اور ابتداء اس طرح کی:

"حضرت مجھ محروم القسمت کا تو کوئی حال ہی نہیں۔ اگر کوئی حال ہوتا تو عرض کرتا پھر اخیر میں لکھا کہ البتہ حضرت کی جوتیوں کے طفیل میں تین باتیں اپنے اندر پاتا ہوں، ایک یہ کہ امورِ شرعیہ امورِ طبعیہ بن گئے ہیں۔ گویا نماز روزہ اور دوسری عبادات ادا کرنے کے لئے ایسا مجبور ہوں جیسے بھوک کے وقت کھانے کے لئے اور پیاس میں پانی کے لئے دوسری بات یہ کہ مادح و ذام یکساں نظر آتے ہیں۔ کوئی ہزار تعریف کرے ہزار مذمت کرے نفس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا گویا مخلوق کچھ بھی کہتی رہے اسکی نہ کچھ پرواہ ہوتی ہے۔ اور نہ قلب پر کوئی اثر ہوتا ہے اور تیسرے یہ کہ نصوصِ شرعیہ میں کہیں تعارض نہیں معلوم ہوتا تعارض تو کیا موزونیت اتنی معلوم ہوتی ہے کہ ہر کلی اپنی جگہ پہ ٹھیک اور درست دکھائی دیتی ہے۔

یہ قوتیں امورِ شرعیہ امورِ طبعیہ بن جائیں یہ قوتِ عملیہ سے ہوتا ہے۔ اور لوگوں کی تعریف و برائی کا یکساں معلوم ہونا یہ قوتِ اخلاقی کا تقاضہ ہے۔ قوتِ عملی کی انتہا یہ ہے کہ آدمی میں طاعت کی رغبت اس درجہ پیدا ہو جائے کہ بغیر اس کے کئے ہوئے چین ہی نہ آئے قوتِ اخلاقی کی انتہا یہ ہے کہ اس درجہ غنا پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی تعریف و برائی یکساں معلوم ہونے لگے۔ اسی طرح قوتِ علمی کی انتہا یہ ہے کہ قرآن و سنت کی ہر چیز اپنی جگہ پہ بالکل درست اور ٹھیک معلوم ہو اور شریعتِ اسلامیہ ایک گلدستہ نظر آتی ہو۔ سعادتِ انسانی کے لئے انہیں تین چیزوں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ علمی قوت، عملی قوت، اخلاقی قوت اور آپ ایسی جگہ میں ہیں جو علمی، عملی، اخلاقی سبھی قوتوں کا مرکز ہے۔ جہاں ایسی ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جو ہر اعتبار سے کامل و مکمل تھیں۔ میں اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ ایسی باکمال

شخصیتوں کی شکلیں دیکھنے اور بعض سے کچھ استفادہ کا بھی موقعہ ملا۔ استادِ محترم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ، اللہ اکبر چلتا پھرتا کتب خانہ تھے ، اتباعِ سنّت کا یہ حال کہ ان کے عمل کو دیکھ کر مسائل نکالے جاتے تھے۔ ایسے ہی حضرت مولانا مدنیؒ جو اپنی مثال آپ تھے اور حضرت شیخ الہندؒ ان تمام حضرات کی زیارت کے شرف کے ساتھ ساتھ ان سے کچھ استفادہ کا بھی موقعہ ملا۔ حضرت تھانویؒ کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور حسبِ توفیق استفادہ کا بھی شرف نصیب ہوا۔ یہ ایسی جگہ ہے کہ جہاں کا ایک ایک شخص پوری پوری قوم کے برابر ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ملک کے گوشے گوشے میں مواعظ کہے اور ایک ہزار کے قریب تصانیف کیں۔ بہت سے علماء مل کر بیٹھیں تو بھی اتنا کام مشکل سے ہو سکے گا ، حق تعالیٰ نے آپ سے ایسے کام لئے جس کا ایک قوم اور ایک جماعت سے ہونا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

جائے بزرگاں بجائے بزرگاں یہ کیسے ممکن ہے کہ ان بزرگوں کے اثرات اس جگہ اور اس ادارہ میں نہ ہوں ایک پھول کپڑے کو لگ جاتا ہے تو اس پر اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے دیر تک کپڑے سے خوشبو آتی رہتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شجرۃ الرضوان کے نیچے بیٹھ کر چودہ سو صحابہؓ سے بیعت لی ، اور آپ کے اس تھوڑے سے قیام کی وجہ سے اس جگہ کو آپ سے ایک نسبت حاصل ہو گئی تھی۔ اور وہ جگہ مقدس و متبرک ہو گئی تھی۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ ان برکات کو محسوس کرتے تھے اس درخت کے نیچے بیٹھتے تھے۔ دعائیں مانگتے تھے ، بعد میں حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا ابھی تو خیر القرون ہے۔ اور اس درخت کے ساتھ امت کی عقیدت کا یہ حال ہے بہت ممکن ہے۔ کہ کل کو ایسی نسلیں آئیں جو عقیدت میں غلو سے کام لیں اور پھر اسکی وجہ سے شرک و بدعت کا دروازہ کھل جائے اس درخت کو کٹوا دیا۔ اس واقعہ سے آپ کو یہ بتانا تھا کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں والا مقولہ بالکل صحیح ہے پس یہ ادارہ جہاں اکابر اولیاء اور اپنے وقت کے مسلم قطب و ولی رہ چکے ہیں۔ ان کے پاکیزہ اثرات سے اس کے در و دیوار کب خالی رہ سکتے ہیں۔

حاصل یہ کہ آپ ایک ایسے ادارے میں ہیں جسے طرح طرح کی نسبتیں اور تقدس حاصل ہے۔ جو برکات یہاں ملتی ہیں وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتیں دارالعلوم کی ایک ایک جگہ کے بارے میں اکابرین کے مکاشفات ہیں۔ نودرہ کی عمارت کے بارے میں مولانا محمد یعقوب صاحب کا مکاشفہ ہے کہ عرش سے ایک مسلسل لڑی ہے۔ جو نودرہ کی درسگاہوں تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ تجربہ یہ ہے کہ جتنا یہاں بیٹھ کر کتابیں سمجھ میں آتی ہیں ، دوسری جگہ نہیں آتیں۔ نودرہ کے سامنے کی جگہ جہاں جنازہ رکھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مولانا یعقوب صاحبؒ کا مکاشفہ ہے کہ جس کے جنازے کی نماز یہاں ہو جائے وہ مغفور ہوتا ہے۔

الہامی درسگاہ بھائی یہ مدرسہ الہامی مدرسہ ہے اس کا آغاز بھی الہام سے ہوا ہے اسکی تعمیر بھی الہام سے ہوئی

اور طلباء کا داخلہ بھی الہام سے ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض واقعات سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس کے اساتذہ کا تقرر اور تعین بھی خاص زاویوں میں ہوتا ہے۔ اور یہاں کی خدمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس مدرسہ کا آغاز اور مدرسوں کی طرح کسی رسمی مشورہ سے نہیں ہوا بلکہ وقت کے اکابر و مشائخ کا ایک اجماع سا ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ دارالعلوم کی تاسیس کے وقت میں کسی کو کشف ہوا کہ یہاں پہ ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالنی چاہیئے۔ کسی نے خواب میں دیکھا کہ یہاں ایک مدرسہ کا قیام ہونا چاہیئے کسی پہ القاء ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام کا تحفظ دینی اداروں سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح تعمیر کے وقت بنیاد کھودنے کے لئے کچھ نشانات لگا دیئے گئے، جتنا احاطہ اب ہے اس سے آدھے پر نشان لگایا گیا تھا۔

دارالعلوم کے پہلے مہتمم | دارالعلوم کے سب سے پہلے مہتمم حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ تارک الدنیا اور نہایت ہی قوی النسبت بزرگ تھے۔ نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ کتاب پڑھ سکتے تھے، مولانا نانوتویؒ نے انہیں بلایا اور اہتمام پیش کیا، آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں نہ تو لکھنا جانتا ہوں، نہ پڑھنا۔ مجھے مہتمم بنا کر کیا کیجیئے گا۔ حضرت نے فرمایا نہیں منجانب اللہ یہی مقدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی اہتمام قبول کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرما لیا۔

مبشرات | حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ مولسری کے احاطہ میں جو کنواں ہے اس کی من پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ دودھ لینے والوں میں سے بعض کے ہاتھ میں گھڑا ہے۔ بعض کے ہاتھ میں لوٹا ہے۔ اور کسی کے ہاتھ میں پیالہ ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہیں ہے وہ ہاتھ پھیلا کر چلو ہی سے پی لیتا ہے۔ حضرت جب بیدار ہوئے تو مراقبہ فرمایا کہ آخر یہ کیا چیز ہے۔ کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دودھ صورت مثالی علم کی ہے۔ اور قاسم العلوم نبی اکرمؐ ہیں۔ آپ علم تقسیم فرما رہے ہیں۔ اور طلباء فرق مراتب کے ساتھ علم حاصل کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کا علم لوگوں کو اسطرح ہوا کہ ایک بار شاہ رفیع الدین صاحبؒ احاطہ مولسری میں کھڑے تھے ایک طالب علم شوربہ کا پیالہ لیکر آپ کے سامنے آیا اور اسے پھینک کر کہنے لگا: "نہ اس میں گھی ہے اور نہ مصالحہ اور شاید مفتی صاحب اس سے وضو کے جواز کا فتویٰ بھی دیدیں۔ یہ ہے آپ کا اہتمام۔"

جب وہ طالب علم چلا گیا تو آپ نے پوچھا کیا یہ مدرسہ دیوبند ہی کا طالب علم ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں حضرت یہ مدرسے ہی کا طالب علم ہے اور مطبخ سے اس کا کھانا ہے اور مطبخ کے رجسٹر میں اس کا نام درج ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں! یہ مدرسہ کا طالب علم معلوم نہیں ہوتا۔ تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسی نام کا ایک دوسرا طالب علم ہے۔ اصل میں کھانا اس کا تھا لیکن نام میں اشتراک کی بناء پر غلطی سے ٹکٹ اسے مل گیا تھا طلبہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضرت بات تو وہی

ہوئی جو آپ نے فرمایا تھا۔ مگر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ اس پر آپ نے دودھ والا واقعہ بیان فرمایا اور اس کے بعد جو عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ جب شوال میں طلباء داخل ہوتے ہیں تو میں ایک ایک کو دیکھ کر پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا۔ اس طالب علم پر میں نے تین مرتبہ نگاہ ڈالی تو مجھے یہی معلوم ہوا کہ یہ اس مجمع میں شریک نہیں تھا۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ مدرسہ الہامی مدرسہ ہے اس کا آغاز بھی الہام سے ہوا اور طلبہ کا انتخاب بھی الہام سے ہوتا ہے۔ اور اس کا سنگِ بنیاد بھی الہام ہی سے رکھا گیا۔ بنیاد کے لئے لوگوں نے جو نشان لگایا تھا۔ اس پر ابھی کام شروع نہیں ہوا تھا۔ کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرمؐ تشریف لائے ہیں عصائے مبارک ہاتھ میں ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ احاطہ تنگ رہے گا۔ کافی نہیں ہوگا۔ چنانچہ آپ نے مولانا نصیر احمد صاحب کی درسگاہ کے پاس سے نشان لگایا۔

حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نیند سے بیدار ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ لکیریں بالکل اسی طرح موجود ہیں۔

پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ بنیاد اسی پر کھودی جائیگی۔ اب مجھے کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن تو چیزے دیگری آپ حضرات ایک ایسے مقام پر ہیں کہ جسے سینکڑوں بزرگوں کی نسبتیں حاصل ہیں۔ مجموعی اور غیر شعوری طور پر وہ ساری نسبتیں کام کر رہی ہیں۔ اس لئے میں نے ابھی آپ سے کہا تھا کہ جو علم اور جو خیر و برکت یہاں ہے۔ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ کتابیں وہی ہوتی ہیں، الفاظ وہی ہوتے ہیں مگر حقائق و کیفیات میں فرق ہو جاتا ہے۔ میں نے مشکوٰۃ شریف اپنے والد مرحوم مولانا حافظ احمد صاحبؒ سے پڑھی تھی۔ والد صاحب جس وقت برزخ، موت، قیامت، حشر و نشر سے متعلق احادیث پر پہنچے اور تقریر شروع ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میدان قیامت سامنے ہے۔ یہ قبر ہے، حساب کتاب ہے، عذاب و ثواب ہے، اس انداز اور ایسی کیفیت سے تعلیم ہوتی کہ ہم محسوس کرتے کہ یہی حالات ہمارے اوپر طاری ہو رہے ہیں۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا دار العلوم پر ایک وقت وہ بھی گذرا ہے کہ مہتمم سے لیکر دربان تک سب ہی اہلِ نسبت تھے۔ حاجی عبد اللہ صاحبؒ دربان تھے۔ نوشت و خواند کچھ نہ تھی۔ لیکن صاحب نسبت بزرگ تھے صبح صادق پر جو دار العلوم میں گھنٹہ بجتا ہے۔ اس کے بجانے کا کام انہی کے سپرد تھا۔ پہلی ضرب لگاتے تو زبان پر سبحان اللہ ہوتا، دوسری پر الحمد للہ اور تیسری پر اللہ اکبر کے ایک نعرہ کے ساتھ پھر یہ شعر زبان پر عجیب کیفیت سے لاتے ہے

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

یہ منظر کچھ ایسا ہوتا کہ جو سنتا بے اختیار اس پر بکاء طاری ہو جاتا۔ حاصل یہ کہ یہ ایک مثالی جگہ ہے۔ اسے نہ جانے کیسی کیسی نسبتیں حاصل ہیں۔ یہاں کم سے کم درجے کا طالب علم آتا ہے اسکو بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے۔ اس جگہ پہ

رہ کر محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں۔ تو بھائی اگر نسبتوں کے بارے میں کچھ بات کی جائے تو بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی موجود ہے۔ مگر ہاں اسی کے ساتھ ساتھ ایک بات اور ہے وہ یہ کہ ایک تو اصل علم اور راس العلم ہے۔ جسے آپ حاصل کر رہے ہیں۔ اور جو آٹھ دس سال میں حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اسی پہ قناعت نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اضافہ کی برابر کوشش کرتے رہنا چاہیئے جس طرح اصل علم مطلوب ہے ویسے ہی زیادۃ فی العلم بھی مطلوب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔" حالانکہ آپ کو وہ علوم دیئے گئے تھے۔ جو ساری کائنات میں سے کسی کو نہیں دیئے گئے چونکہ یہ انسان کی صفت نہیں ہے بلکہ اللہ کی صفت ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات غیر محدود ہیں۔ اس لئے آپ جتنا بھی علم حاصل کرتے جائیں گے جہالت دور ہوتی چلی جائے گی۔ اور آگے میدان مزید نظر آئیگا۔

فنافی العلم شخصیت

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ مرضِ وفات میں ہیں۔ ڈاکٹروں نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ کہ آپ مطالعہ نہ فرمایا کیجئے مگر جب ڈاکٹر چلے جاتے تو آپ فوراً مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ لوگ کہتے کہ حضرت ڈاکٹر نے منع کیا ہے تو فرماتے بھائی کیا کروں۔ یہ مرض مطالعہ کا بالکل لاعلاج مرض لگا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ چند ساعت ہی ترک مطالعہ کرتے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کی ولادت اولیٰ مطالعہ پہ ہی تھی حضرت کو زیادۃ فی العلم کی ایک دھن لگی ہوئی تھی اسی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے حفظ اتنا قوی دیا تھا کہ جو چیز ایک بار دیکھ لیتے تو عمر بھر کے لئے کافی ہو جاتی خود ایک بار درس میں فرمایا کہ جو چیز نظر سے گذر جاتی ہے۔ پھر فراموش نہیں ہوتی، درس میں معروف و مشہور کتب تو درکنار غیر متعارف قلمی نادر کتب کا حوالہ بتقیید صفحات و سطور اس طرح دیتے کہ محسوس ہوتا کہ شاید گذشتہ رات ہی حضرت نے ان کتابوں کا مطالعہ فرمایا ہے۔ لیکن اس قدر قوتِ حفظ کے ہوتے حضرت نے تیرہ بار فتح الباری کا از اول تا آخر مطالعہ کیا تھا۔ بتائیے کہ جس کے ایک بار کتاب دیکھ لینے کے بعد یہ عالم ہو کہ سالہا سال کے بعد بھی مستحضر، تو تیرہ بار فتح الباری کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا عالم ہوگا۔ آپ کے یہاں حدیث کا درس ہوتا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سارے ہی فنون کا درس ہوتا تھا۔ افسوس کہ آپ کی بتائی ہوئی باتیں اور تقاریر محفوظ نہ رکھ سکا

جد و جہد اور علمی مجاہدے

تو بھائی علم آدمی کو محنت سے ملتا ہے۔ دھن سے ملتا ہے۔ یہ دھن پیدا ہو جانی چاہیئے کہ ہمیں علم حاصل کرنا ہے اور اس کو سود در سود کر کے بڑھاتے ہی چلے جانا ہے۔ جب دھن پیدا ہو جائے گی تو آپ زیادہ سے زیادہ کتب بینی کریں گے اور جب آپ کتب بینی کے عادی ہو جائیں گے۔ تو پھر آپ میں تفقہ پیدا ہوگا۔ اور جب تفقہ پیدا ہو جائے گا تو آپ کسی شے کے محض حکم ہی پر قناعت نہ کریں گے بلکہ اسکی حکمت کو بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں گے اور جب حکمت معلوم کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر علت معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوگی اور جب علت معلوم ہو جائے گی تو آپ اس پہ قناعت نہیں کریں گے بلکہ اس وقت آپ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ کہ علت کا رابطہ اللہ تبارک تعالیٰ کی کس صفت سے ہے۔

قدیم روایت

ایک بات آپ حضرات سے کہدوں کہ جسطرح آپ علم حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں مجاہدہ کرتے ہیں، مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی عملی اور اخلاقی قوت مضبوط نہیں ہوگی، علم کام نہیں دے گا۔ ایک عالم میں اگر کبر ہو حسد ہو بغض ہو کینہ ہو حریص ہو تو وہ خود بھی ذلیل ہوگا۔ اور علم کو بھی ذلیل کرے گا۔ اسلاف جب علم سیکھ لیتے تھے تو اس کے بعد مستقل طور پر عملی بھی سیکھتے تھے۔ خود دارالعلوم پر نصف صدی ایسی گذری تا وقتیکہ شیخ کامل سے اجازت نہ ہوتی۔ دارالعلوم اپنی علمی سند نہ دیتا۔ گویا علم وعمل کی تکمیل کا نام سند تھا۔ میں نے آپ کے سامنے جو حدیث پڑھی تھی کہ یعنی نہ تو کوئی طالب دنیا کبھی سیر اور نہ طالب علم سیر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ کسی طالب مال کو کسی حد پہ قناعت ہوتی ہے اور نہ طالب علم کو بلکہ حرص بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس سو روپیہ ہیں تو وہ دو سو کی خواہش میں رہتا ہے۔ اگر دو سو ہیں تو چار سو کی خواہش ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی عالم کو اگر سو مسئلے معلوم ہوگئے تو وہ دو سو معلوم کرنے کی کوشش میں رہتا ہے، جب علم کی طلب اس درجہ تک پہنچ جائے گی تو علم خود ہی عمل کو دعوت دیگا۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۔ جس قدر علم بڑھتا جائے گا خشیت بڑھتی جائیگی اور جب خشیت بڑھے گی تو آپ یقیناً طاعت کی جانب مائل ہوں گے۔ اس لئے کہ علم کے لوازم میں عمل ہے۔

احساس مسئولیت

ابھی تو آپ حضرات کا طالب علمی کا زمانہ ہے ابھی آپ دوسروں کی نگرانی میں رہتے ہیں اور یہاں رہ کر آپ صالح بن رہے ہیں۔ مگر یہاں سے جانے کے بعد آپ خود نگران بنیں گے اور آپ کو مصلح بننا ہوگا۔ پھر آپ کے سامنے مختلف قسم کے مسائل آئیں گے اور اس کے مطابق آپ کو تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی۔ آپ کے سامنے ملک وقوم کے حالات ہوں گے اور آپ کو یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ اس وقت قوم میں کونسی بیماریاں ہیں، کیا کوتاہیاں ہیں ان کے اسباب کیا ہیں؟ اور ازالہ کی تدابیر کیا ہوں گی ایسے ہی یہاں سے نکلنے کے بعد آپ کے سامنے شرک و بدعت کا میدان ہوگا اور عیسائیت و یہودیت سے بھی مقابلہ رہے گا۔ اگر آپ نے ان کاموں کے لئے ابھی سے تیاری نہ کی اور محنت ومشقت کرکے میدان کو ہموار نہ کرلیا تو آگے چل کر آپ کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ظاہر ہے۔

ایک تمنا اور نخل آرزو

میری خواہش ہے کہ آپ یہاں سے صرف عالم اور صالح ہی بن کر نہ نکلیں بلکہ معلم اور مصلح بن کر نکلنے کی کوشش کریں اس لئے کہ قوم منتظر ہے کہ ہمارے نونہال دارالعلوم میں پڑھنے گئے ہیں وہ آئیں گے ہماری اصلاح کریں گے ہمیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لگائیں گے۔ اور ہماری پریشانیوں کا حل ہوں گے لہٰذا آپ ان چیزوں کے سلسلے میں خود بھی سوچیں اس کا حل نکالیں اپنے اساتذہ سے سوالات کریں پھر نہ آپ کو ایسا وقت ملے گا نہ ایسے اساتذہ ملیں گے اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم یہ سب بھی کرتے رہتے ہیں تو خیر کوئی حرج نہیں اس لئے میں نے یہ چند باتیں آپ لوگوں سے عرض کردیں آپ نے جس محبت وخلوص سے یاد فرمایا میں اس کا شکرگذار

ہوں اور صرف شکر گذار ہی نہیں اس لئے کہ یہ تو ایک وقتی اور رسمی چیز ہوگئی ہے۔ میں آپ حضرات کے لئے خلوصِ قلب سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق دے۔

ذرۂ آفتاب ناتابانیم | میں کیا ہوں کچھ بھی تو نہیں۔ بس ایک نام ایک نسبت لگ گئی ہے، ان بزرگوں کے ساتھ جن کے طفیل میں ہم اور آپ آج یہاں موجود ہیں۔ غالب نے کہا ہے ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

ہمارا تو جو کچھ بھی ہے۔ انہیں بزرگوں کی وجہ سے ہے۔ ہمیں تو روٹیاں بھی مل رہی ہیں انہیں بزرگوں کے طفیل میں سپاسنامے اور تعارف میں تو اکثر مبالغے ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور اس میں ایران توران کی باتیں کہی جاتی ہیں۔ آپ لوگوں کی جانب سے جو سپاسنامہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی مجھے ہر طرح سے اچھا اور لائق دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر کیا عجب ہے کہ جب اتنے لائق لوگ ایک نالائق کو لائق کہہ رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اتنے لائقوں کی لاج رکھ لیں اور یہی میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

■■

خوشخبری

دعوات حق کی دوسری جلد
جلد اول دستیاب نہیں

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات و مواعظ اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ علم و حکمت کا گنجینہ جس کی پہلی جلد کو ہر طبقے میں سراہا گیا۔ اور اہل علم و خطباء اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور جس کا کوئی ایک نسخہ بھی اس وقت دستیاب نہیں ـــــ الحمد للہ کہ انتظار شدید کے بعد اسکی دوسری جلد کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر کر شائع ہوگئی ہے۔ تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل اس دوسری جلد میں بھی دین و شریعت۔ اخلاق و معاشرت۔ علم و عمل۔ نبوت و رسالت۔ شریعت و طریقت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر حضرت مدظلہ نے عام فہم اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے انداز میں گفتگو نہ کی ہو۔ آج ہی کتاب طلب کیجئے ورنہ جلد اول کی طرح اسکی نایابی پر بھی افسوس کرنا پڑے گا۔ صفحات ۵۲۰۔ قیمت چالیس روپے۔ طباعت آفسٹ۔ جلد دیدہ زیب۔

مصنفین ـ دار العلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک۔ (پشاور)